مسلمانانِ ہند کا تعلیمی ڈھانچہ، تحقیقی وتاریخی جائزہ

Exploring the Educational Structure of Indian Muslims, Research and Historical Review

Hafiz Umar Farooq Buzmi [1]
Dr. Khalid Mahmood Arif [2]
Dr. Muhammad Kashan Atif [3]

Abstract:

This research article provides a thorough exploration of the educational structure of Indian Muslims, blending historical retrospectives with contemporary research insights. Spanning from early Islamic educational centers to the present day, the study scrutinizes the historical evolution of educational structures within the Indian Muslim community. Historical analyses delve into the contributions of influential Muslim scholars and institutions, tracing the trajectory of Islamic education in India and its adaptation over centuries. The impact of colonial rule and subsequent educational reforms on the educational landscape of Indian Muslims is examined, shedding light on the community's responses to evolving socio-political dynamics. In the contemporary context, the research evaluates existing challenges and opportunities within the educational framework for Indian Muslims. This includes an examination of access to education, the quality of educational institutions, and the influence of cultural and societal factors on the educational experiences of the community. Emerging trends, such as the integration of technology and initiatives for inclusive education, are explored to provide a holistic understanding of the current educational landscape. The insights garnered from this study aim to inform policymakers, educators, and researchers about the historical roots and present-day nuances of the educational structure for Indian Muslims. By synthesizing historical legacies with contemporary challenges, the research contributes to a more nuanced understanding of the complexities and opportunities inherent in the education of the Indian Muslim community.

Keywords: *educational structure, Indian Muslims, precolonial period, emerging trends*

[1] Ph.D. Scholar, Department of Islamic Studies, Riphah International University, Faisalabad umarbuzmicci@gmail.com
[2] Associate Professor/Corresponding Author, Department of Islamic Studies, Riphah International University, Faisalabad khalid.mahmood@ripahfsd.edu.pk
[3] Assistant Professor, Department of Mass Communication, Riphah International University, Faisalabad kashanatif@gmail.com

نوآبادیاتی دور سے قبل مسلمانانِ ہند نے ہر شعبۂ زندگی میں ترقی کی لازوال مثالیں قائم کیں۔اس دور کے زیادہ تر حکمران علم دوست اور علماء ومشائخ کے صحیح معنوں میں قدردان تھے۔ تعلیم وتربیت کے میدان میں ان کی کاوشیں لائقِ تحسین اور قابلِ داد ہیں۔ مضمون ہذا اُس دور کے تعلیمی ڈھانچہ کے تاریخی اور تحقیقی تجزیہ پر مشتمل ہے۔

نظام الملک طوسی(م۱۰۹۲ء) سلجوق کا وزیرِاعلیٰ تھا جہاں انہوں نے اعلیٰ وارفع رفاہی، اصلاحی، تعمیری اور فوجی اقدامات انجام دیے وہیں تعلیم اورادب کے فروغ کے لیے بھی کام کیا۔درسِ نظامیہ کے لئے مدارس قائم کیے جہاں تنخواہ دار اساتذہ مقرر کئے جاتے تھے۔ہر فن میں ماہر اساتذہ موجود تھے ۔ان کی بے حد حوصلہ افزائی ہوتی تھی۔ اساتذہ مسابقت کے جذبہ سے سرشار ہوتے تھے۔یہ تمام تعلیمی روایات خراسان سے غوریوں کے ہاتھوں ہندوستان میں منتقل ہوئی تھیں۔بعدازاں مضامینِ تدریس میں اضافہ ہوا،تاہم بنیادی ڈھانچہ وہی رہا۔

نظام تدریس:

مسلمانوں کی تعلیم کے پانچ اجزاء رہے ہیں جن کے مراکز جداجدا تھے۔

۱۔عمومی مراکز: وعظ ونصیحت کے ذریعہ عوام کو تعلیم دیتا۔اس میں نہ استاد کی قید اور نہ مدرسے کی قید۔

۲۔تدریس: اس کا مرکز پہلے مسجد تھا۔ پھر مدرسہ بن گیا۔

۳۔تربیت: اس کا مرکز پہلے مسجد تھا۔ پھر خانقاہ بن گیا۔

۴۔ورزش: یہ تربیت اکھاڑے یا گھر میں حاصل کی جاتی تھی۔

۵۔حرفتی تعلیم: یہ تعلیم عام طور پر گھروں میں یا کارخانوں میں دی جاتی تھیں۔ان کو تعلیم کے مستقل بالذات شعبہ جات تسلیم کیا گیا تھا۔ان کی درسگاہیں بھی جداجدا اوران کے استاد بھی جدا ہوتے تھے۔بظاہر ان میں کوئی ربط ورشتہ نہیں ہوتا تھا۔ کبھی کسی ایک نظام میں ان اجزاء کو منسلک اور مربوط کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔لیکن معاشرہ کا ہر باشعور فردان تربیتی اداروں سے اپنے طور پر ضرور مستفید ہوتا تھا۔جس کے بعد وہ صحت مند جسم، متوازن فکر اور پسندیدہ اخلاق کا حامل ہوتا تھا۔ایک صالح فرد بن کر وہ صالح معاشرہ کو فروغ دیتا تھا اور اپنا فریضہ تمدن ادا کرتا تھا تاکہ حیات طیبہ اور اخروی سعادت سے بہرہ ور ہوسکے۔[4]

4۔ مقریزی، کتاب الخطط، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۲/۱۲۴۔

Maqrezi, Kitāb al Khatt, Beirut, Dār al Kutub al Ilmiyah, 124/2

مدارس کے مالی وسائل:

ہندوستان میں مدارس کے مالی وسائل کے سلسلے میں امراء وسلاطین اور دوسرے مخیر حضرات اجر وثواب کے حصول کی نیت سے دل کھول کر امداد کرتے تھے۔اساتذہ کی تنخواہیں مقرر نہ تھی بلکہ حکمران بیت المال سے اساتذہ اور طلبہ کو وظائف دیتے تھے۔مختلف انعامات اور تحائف کی صورت میں اساتذہ کی مالی امداد کی جاتی تھی۔جبکہ اساتذہ طلبہ کو بغیر کسی لالچ کے محبت اور لگن سے پڑھاتے تھے۔سلاطین مدارس کی مختلف مالی ضروریات کا خیال رکھتے تھے۔تاکہ درس وتدریس اور اشاعت وہدایت میں مشغول علماء طلب معاش کی طلب سے بے فکر ہو کر اپنے کام میں مشغول رہیں۔نصاب تعلیم وتدریس میں سلاطین اور امرء نے کبھی مداخلت نہیں کی۔یہ خالص علماء اور اساتذہ کا کام تھا کہ وہ کیا پڑھائیں اور کس طرح سے پڑھائیں۔زرعی زمینیں پورے ملک میں تقسیم کی گئی۔ان وسائل کی فراہمی کے بعد بعد پورے ملک میں خود کار مدارس کا جال بچھ گیا جو بغیر کسی سر کاری نگرانی کے نہایت خوش اسلوبی سے چلتا رہا۔دارالخلافہ میں سیاسی انقلاب آتے رہتے تھے، حکومتیں بدلتی رہیں، کبھی کسی حکمران نے وظائف اور مراعات میں کمی نہیں کی۔چنانچہ اشاعت علم کا کام پورے ملک میں بلاروک ٹوک جاری رہا۔انگریز حکومت کی آمد تک یہ سلسلہ بڑی خوش اسلوبی سے چلتا رہا۔ہندو حکمرانوں نے بھی اسے ہاتھ نہیں لگایا۔عمومی صورت حال یہی تھی ورنہ بعض حکمران اشاعت علم میں معمولی دلچسپی لیتے تھے اور اس پر روپیہ پیسہ خرچ کرتے تھے۔

علی عادل شاہ(۹۶۹ھ-۱۵۶۱ء)والئ بیجاپور اشاعت علم کا بے حد شوقین تھا۔اس نے اپنے دور میں قلعہ بیجاپور کے اندر ایک محل بنوایا تھا،اس میں جامع مسجد بھی تھی، عربی اور فارسی کے دو مدرسے بھی قائم تھے۔اس کے علاوہ شہر میں قرآن کی تعلیم کے لیے متعدد مدارس کھولے۔ان سب کے اخراجات حکومت کے ذمے تھے۔طلباء کو صبح شام کھانا ملتا تھا۔اس کے علاوہ ہر طالب علم کو ایک ہون(سونے کا سکہ)ماہوار کتابوں وغیرہ کے اخراجات کے لیے ملتا تھا۔آخر سال ماہ ذی الحج میں امتحان ہوتا تھا۔کامیاب طلباء میں انعامات تقسیم ہوتے تھے۔اور باصلاحیت طلباء کو سرکاری نوکریاں دی جاتی تھیں۔[5]

شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر(۱۱۱۸ھ-۱۷۰۷ء) کو بھی اشاعت علم سے بہت دلچسپی تھی۔اس کے لیے مختلف فرمان جاری کرتے رہتے تھے۔ایسے ایک فرمان کا ذکر تاریخ(گجرات)میں ملتا ہے۔مقدس اور معلی حکم(اورنگ زیب)ملک تمام صوبہ جات میں جاری ہوگیا ہے کہ ہر صوبہ کے مدارس کے طلباء کو میزان وصف پڑھنے والے سے لے کر کشاف تک پڑھنے والے کو اپنے مدرسوں کی تصدیق اور صدر شعبہ کے مشورہ سے روزینہ(وظیفہ)صوبہ کے خزانہ سے دیا جائے گا۔[6]

---

5. شہابی، انتظام اللہ، اسلامی نظام تعلیم کا چودہ صد سالہ مرقع، ص:۵۳۰۔

Intezāmullah Shahabi, *Islāmī Nizām e Taleem Kā Choudah Sadd Sālah Muraqqah*, p.530

6. سید محمد سلیم، پروفیسر، ہندوپاکستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت، لاہور، ادارہ تعلیم وتحقیق، ۱۹۸۳ء، ص:۴۷۔

کتابیں:

کتابیں اور تعلیمی سامان عام طور پر مدرسہ مہیا کرتا تھا۔البتہ امیر گھرانوں کے بچے اپنی کتابیں اور دیگر تعلیمی سامان اپنے ساتھ لاتے تھے۔ مدرسے کے لیے روشنائی خود اساتذہ بنالیا کرتے تھے کتب نصاب کی تبدیلی کا کوئی تصور ہی نہ تھا۔جب تک بالکل پھٹ نہ جائیں وہی درسی کتابیں چلتی رہتی تھیں۔ایک گروہ کے بعد دوسرا گروہ انہیں کتابوں کو پڑھتا تھا کتابیں قلمی ہوتی تھیں اور کمیاب ہوتی تھیں۔ان کی بڑی قدر ہوتی تھی۔مولانا گنگوہی کے مطابق شاہ اسحاق محدث دہلوی کے درس میں منتہی طلباء بیس ہوتے تھے۔بخاری شریف کا صرف ایک نسخہ موجود تھا۔لڑکے اس کو باری باری پڑھتے تھے۔انیسویں صدی میں پرنٹنگ پریس قائم ہو جانے کے بعد درسی کتب آسانی سے ملنے لگیں۔

داخلہ:

مکتب میں اور فارسی مدرسہ میں اوقات داخلہ کی کوئی پابندی نہیں تھی۔جب کوئی طالب علم آجاتا تھا شریک درس ہو جاتا تھا۔ داخلہ کا کوئی مخصوص طریق کار نہیں تھا۔ البتہ عربی مدارس میں داخلہ کے لیے شوال کا مہینہ مقرر تھا۔ اگرچہ بعض مخصوص حالات میں اس کے بعد بھی داخلہ ہو جاتا تھا۔

درجہ بندی:

مدارس میں درجہ بندی (کلاس) کا طریقہ رائج نہیں تھا۔ مدت تعلیم سالوں سے شمار نہیں کی جاتی تھی بلکہ کتب نصاب سے شمار کی جاتی تھیں۔یہ کہا جاتا تھا کہ طالب علم نے فلاں کتاب پڑھ لی ہے یا فلاں کتاب پڑھ رہا ہے یہ فلاں کتاب باقی ہے ہر طالب علم کا سبق جدا جدا ہوتا تھا۔ ہر طالب علم پر انفرادی توجہ دی جاتی تھی۔کسی طالب علم کی رفتار تیز ہوتی تھی اور کسی طالب علم کی رفتار سست ہوتی تھی بعض جلدی جلدی کتب ختم کر لیتے تھے۔بعض سالوں لگے رہتے تھے۔ایک ساتھ بیٹھے ہوئے سب لڑکے اپنا اپنا سبق پڑھتے تھے۔

اوقات تعلیم:

طلوع آفتاب کے ساتھ تعلیم شروع ہو جاتی تھی جو گیارہ بجے تک جاری رہتی تھی۔البتہ عربی مدارس میں فجر کی نماز کے بعد سے ہی تدریس شروع ہو جاتی تھی۔دوبارہ پھر نماز ظہر کے بعد سے عصر تک جاری رہتی تھیں اس کے بعد چھٹی ہو جاتی

Syed Muhammad Saleem, Professor, *Hind o Pakistan me Musalmāno kā Nizām e Taleem o Tarbiyat*, Lahore, Institute of Education & Research, 1983, p.74

تھی۔ منتہی طلباء کو بعض استاد عشاء سے پہلے اور تہجد کے بعد پڑھاتے تھے۔ گھر پر کام لینے کا موجودہ طریقہ رائج نہ تھا۔ لکھنا پڑھنا سب مدرسہ کے اوقات میں ہی ہوتا تھا۔ تدریس پر زیادہ زور تھا اور تحریر پر کم۔ طلباء گھر پر سبق کو دہراتے تھے اور یاد کرتے تھے۔

مدت:

ذہین طلباء ۱۵ سالوں کی عمر میں فارسی اور عربی کے نصاب تعلیم کو ختم کر لیتے تھے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ۱۵ سال کی عمر میں تعلیم سے فراغت حاصل کی۔ دوسرے لوگ عام طور پر ۱۸۔۱۷ سال کی عمر فارغ ہو جاتے تھے۔ لیکن کند ذہن زیادہ وقت لگاتے تھے۔[7]

عربی اور علوم دین کی تعلیم:

نصاب تعلیم: ساتویں صدی ہجری سے لے کر دسویں صدی ہجری تک مندرجہ ذیل نصاب کتب ہندوستان میں رائج رہا ہے۔ مغل دور کے اندر اس میں تبدیلیاں آئیں۔

۱۔ صرف: ارشاد صرف۔

۲۔ نحو: مصباح۔ لب اللباب قافیہ۔

۳۔ اصول فقہ: مناراس کی شرح جامی۔

۴۔ فقہ: کنز الدقائق۔ شرح وقایہ والنھایہ۔ ہدایہ

۵۔ تفسیر: مدارک بیضاوی کشاف (مختلف مقامات)

۶۔ حدیث: مشارق الانوار مصابیح السنہ (متن مشکوہ)

۷۔ کلام: شرح صحائف۔

۸۔ منطق: شرح شمیسہ قطبی۔

۹۔ تصوف: عوارف۔ نصوص الحکم۔

۱۰۔ عربی ادب: مقامات حریری، ۴۰ مقامات، مغلوں کی آمد کے بعد سے ہندوستان میں معقولات و فلسفہ کا آغاز ہوا۔

7۔ نور اللہ نائیک، ہندوستان میں تعلیم کی تاریخ، لاہور، اسلامک پبلشرز، ۱۹۸۰ء، ص: ۱۵۔
Noorullah Nā'ik, *Hindustan me Taleem kī Tāreekh*, Lahore, Islamic Publishers, 1980, p.15

۱۱۔ علم الحساب: اس میں حساب، ہندسہ، سیاحت کی تعلیم آتی تھی۔اس کے ساتھ ہی کھاتہ (accountancy) سیاہ نویسی، سیاق کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔اس کے بعد دفتری حسابات لکھنے میں طالب علم ماہر ہو جاتا تھا۔

۱۲۔ خوش نویسی: اس دور میں خوش نویسی بہت ضروری فن تھا۔ ہر طالب علم اس کے سیکھنے پر کافی وقت صرف کرتا تھا۔ پہلے تختی پر موٹے قلم اور مفرد حروف کی مشق کرائی جاتی تھی، پھر مرکبات سکھائے جاتے اور آخر میں تحریر کی مشق بھی کرائی جاتی تھی۔ فارسی درجات کی تعلیم موجودہ دور میں انٹر میڈیٹ اور بعض لحاظ سے بی اے کے برابر ہوتی تھی۔ بعض لحاظ سے اس کا درجہ بلند تھا اس میں دنیاوی علوم قانونی اور دفتری ضروریات کی تعلیم بھی شامل تھی۔اس کے حصول کے بعد ایک طالب علم ہر قسم کی ملازمت کا اہل بن جاتا ہے۔[8]

عربی اور علوم دین کی تعلیم کے لئے نصاب سازی کے اصول:

درجات عالیہ میں عربی کے ذریعے دینی اور دنیاوی علوم کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اور اسی کو بنیادی تعلیم سمجھا جاتا تھا۔اس تعلیم کے مکمل کرنے پر عالم کا درجہ ملتا تھا۔ اساتذہ بہت محنت اور لگن سے طلبہ کو تعلیم دیتے تھے۔ جبکہ شاگرد بھی بھرپور توجہ سے نصاب تعلیم کو پڑھتے تھے۔

نصاب سازی کے اصول:

ا۔ نصاب سازی کے وقت بھرپور کوشش کی جاتی کہ ایسی دینی کتابیں شامل نصاب کی جائے جن سے فقہ کی گہری بصیرت حاصل ہو۔ کیونکہ ملک کے مسائل کے حل کیلئے ایسے علماء کو تیار کرنا بہت ضروری تھا جو فقہ کی گہری سمجھ بوجھ رکھتے تھے۔ شریعت اسلامیہ اس دور میں ملک کا عام قانون تھا۔اس لیے حکومت کو قاضیوں اور مفتیوں کی ضرورت رہتی تھی۔

۲۔ تدریس کے لئے خاص طور سے ایسی کتابیں تیار کی جاتی تھیں جو بے حد مختصر اور مغلق ترکیوں پر مشتمل تھی۔ یہ اختیار اور اخلاق اس لیے رکھا جاتا تھا کہ اس سے مدرسین کے پیش نظر کئی فوائد ہوتے تھے۔ مثلاً مفہوم اخذ کرنے میں طلباء کو محنت کرنی پڑے اور پھر وہ محنت کے عادی ہو جائیں۔ مفہوم متعین کرنے میں بحث و مباحثہ کے مواقع میسر آئیں تاکہ طلباء کا ذہن کھلے زبان چلے اور دقت نظر کا ملک پیدا ہو۔ اغلاق کی وجہ سے اس کی شرح ہونی ضروری تھا۔اسی وجہ سے شرح در شرح کا طویل سلسلہ چلتا تھا۔ فلسفہ کی بعض کتابوں کو پڑھانے کے لئے استاد کو بار بار شرحوں کا پیشگی مطالعہ کرنا پڑتا تھا۔

---

[8]۔ سید محمد سلیم، ہندوپاکستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، ص:۹۹۔

Syed Muhammad Saleem, *Hind o Pakistan me Musalmāno kā Nizām e Taleem o Tarbiyat*, p.99

۳۔نصاب سازی میں یہ اصول بھی پیش نظر رہتا تھا کہ ہر طالب علم کو ایک علمی کتاب غور خوض کے ساتھ اس طرح پڑھا دی جائے تاکہ پھر اس کا پڑھنا طالب علم کے لئے آسان ہو جائے۔

۴۔آخری دور میں منطق اور فلسفہ کی تعلیم کو بھی بے حد اہمیت دی جاتی تھی۔تاکہ طالب علم کی فکری اور تنقیدی صلاحیتیں پروان چڑھیں اور وہ غیر مرغوبانہ انداز میں ہر قسم کے مسائل پر گفتگو کر سکیں اور تنقید کر سکیں۔

۵۔نصاب کی کتابیں ہمیشہ وہی رہتی تھیں۔بڑی محنت اور غور وخوض کے بعد ان میں ترمیم ہوتی تھی۔

طریقہ تدریس:

نصاب کی کتابوں کو اساتذہ نے ضخامت کے اعتبار سے تین مرحلوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔

۱۔ مختصرات

۲۔ متوسط

۳۔ مطولات۔

مختصرات میزان سے قطبی تک۔ متوسطات شروع مسلم وزائد ثلاثہ۔ مطولات شمس بازغہ ملا سدرہ بیضاوی۔ تدریس کے بھی تین طریقے رائج تھے۔

۱۔ طریقہ سرد

۲۔ طریقہ بحث و تمحیص

۳۔ طریقہ تحقیق۔

۱۔طریقہ سرد: اس میں یہ بیانیہ انداز تدریس تھا۔پہلے مرحلہ میں یہی طریقہ اختیار کیا جاتا تھا۔اس مرحلہ میں استاد اس بات کو اہمیت دیتا تھا کہ کتاب کے مطالب عام فہم انداز میں پیش کر دیے جائیں اور مقصد یہ ہوتا کہ طلباء کتاب کا مفہوم اچھی طرح سمجھ لیں۔یہ تشریح طریقہ تدریس تھا جو بڑی حد تک موجودہ لیکچر سسٹم سے ملتا جلتا تھا۔

۲۔طریقہ بحث و تمحیص: دوسرے مرحلہ میں طالب علم کی ذہنی استعداد ترقی کر جاتی تھی اس لئے استاد صرف مفہوم بتانے پر ہی اکتفانہ کرتا تھا بلکہ کتاب کا تجزیہ کرتا تھا۔صرفی اور نحوی ترکیبیں بناتا تھا۔پھر عبارت کا مفہوم متعین کرتا تھا۔اگرچہ اعتراضات وشکوک وشبہات وارد ہوتے ہوں تو ان کو پیش کر کے ان کا رد کرتا تھا۔ان کے جوابات دیتا تھا طلباء کو بحث کے لئے اجازت دیتا تھا۔یہ دقیق مطالعہ کا طریقہ تھا۔

۳۔ طریقہ تحقیق: تیسرے درجے میں استاد عبارت کا مفہوم بھی متعین کرتا تھا۔ اعتراضات کا جواب بھی دیتا تھا۔ طلباء سے بحث بھی کرتا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ مفہوم دیگر اضافی معلومات بھی طلباء کے سامنے پیش کرتا تھا۔ متن کی مختلف شروع کے حوالے وہاں پڑھ کر سنائے جاتے تھے۔ مذید برآں یہ تحقیق کے اصول بھی سیکھاتا تھا۔ تاکہ طلبہ کو معلوم ہو کہ مسلمان محققین نے کس طرح تحقیق کی۔

درجات فارسی کی تعلیم:

سلطان محمود غزنوی کے (۱۰۳۰ء) کے وقت سے لے کر ایسٹ انڈیا کمپنی کے دور حکومت (۱۸۳۵ء) تک فارسی ہندوستان کی سرکاری زبان رہی ہے۔ حکومت کا تمام کاروبار اس زبان میں ہوتا تھا۔ عوام میں مقبولیت کے سبب اسی کو قومی زبان ہونے کا اعزاز حاصل تھا۔ ہندوستان کے باہر بھی فارسی کی تعلیم دی جاتی تھی۔ بلقان میں بھی فارسی زبان کی حکمرانی قائم تھی۔ مغل سلطنت قائم ہو جانے کے بعد ایران سے بہت قریبی تعلقات قائم ہو گئے تھے۔ ایران کے بعد فارسی کا دوسرا گھر ہندوستان ہی کو سمجھا جاتا تھا۔ جہاں کے شعراء ادباء اور اہل علم ایران کے شعراء اور اہل علم کے ہم پلہ تھے۔ مرہٹوں اور سکھوں کے درباروں میں بھی فارسی سرکاری زبان تھی۔

مغل دور سے قبل فارسی درجات نصاب:

سندھ اور پنجاب میں ملا عبدالحکیم سیالکوٹی سے منسوب فارسی درجات کا ایک نصاب رائج ہے۔ غالباً یہ مغلوں سے قبل کا نصاب ہے جس میں ملا عبدالحکیم نے معمولی ترمیم کی۔ یہ بڑی حد تک سادہ اور آسان نصاب تھا۔ آج بھی رائج ہے اور اس میں درج ذیل کتب شامل ہیں۔

۱۔ فقہ: مالابد منہ از قاضی ثناءاللہ پانی پتی ۱۲۲۰ھ۔

۲۔ نثر: آمد نامہ گلستان۔

۳۔ نظم: کریم: نام حق، بوستان، پند نامہ، یوسف زلیخا، سکندر نامہ۔

۴۔ تصوف: تحفہ الاحرا جامی۔

۵۔ خوش نویسی: مشق۔

مدارس سے سرکاری لاتعلقی کے بعد سندھ میں مذکورہ نصاب میں ترمیم کی گئی، معاشرتی علوم کو نصاب سے نکالا گیا۔

مغل دور کا نصاب:

۱۔ نثر۔ نسخہ تعلیمات: تعلیم عزیزی، دستور الیہیان، مادورام، انشاء فائق، انشاء خلیفہ، رقعات عالمگیر وغیرہ۔

۲۔ نظم: کریما، خالق باری، بوستان، یوسف زلیخا، قصائد عرفی، قصائد بدر چاچ۔ سکندر نامہ وغیرہ۔

اس کے ساتھ آدابِ خطوط نویسی، سرکاری مراسلات، عدالتی اور قانونی دستاویزات لکھنے میں مہارت پیدا کی جاتی تھی۔ اس سے وسعتِ مطالعہ کا پتہ چلتا تھا۔ یہ گویا تحقیق اور صحیح مطالعہ کا طریقہ تھا۔[9]

تیاری درس:

ہر طالبعلم کے لئے ضروری تھا کہ تحقیق تدریس کے لئے تیار ہو کر آئے۔ درج ذیل نکات تدریس کا اہم حصہ تھے۔

۱۔ گھر پر آئندہ سبق کا پیشگی مطالعہ کرے۔ سبق کو شرح کی مدد سے خود بخود حل کرنے کی کوشش کرے۔

۲۔ استاد کے سامنے درس کے دوران بحث و تمحیص میں حصہ لے۔ اگر کوئی طالب علم وہاں خاموش رہتا تھا تو یہ بات اس کے لئے قبیح ہونے کی دلیل سمجھی جاتی تھی۔ اس دور میں بحث و تمحیص بہت اہم تھی۔

۳۔ واپس آکر کمروں میں طلباء پھر اس بات کا اعادہ کرتے تھے اور اگر کوئی ساتھی مل جاتا تھا تو دونوں مل کر مذاکرہ کرتے تھے۔ دوران درس کے تمام اعتراضات وجوابات کو دہراتے تھے ورنہ تنہا ہی خود معترض اور خود ہی مجیب بن جاتے تھے۔ اس نہج سے پوری کتاب کے تمام ابواب کو پڑھتے تھے۔ اس تدریس کو تحقیق کرنا کہتے تھے۔[10]

ہندوستان میں درس نظامیہ کی ترویج:

درس نظامی کے بانی ملا نظام الدین سہالوی لکھنوی تھے۔ جن کا مرکز فرنگی محل لکھنو تھا۔ ملا نظام الدین کے والد ملا قطب الدین ایک بڑی صاحب علم شخصیت تھے۔ انہوں نے ہندوستان کے مدارس میں پڑھائے جانے والے تعلیمی نصاب میں تبدیلی کرتے ہوئے ایک نیا نصاب مرتب کیا۔ اور اس دور میں پڑھائی جانے والی مختلف کتابوں کو جمع کر کے سعی کی۔ اس نئے نصاب میں ہر مضمون کی تقریباً ایک کتاب شامل کی۔ ملا قطب الدین کے قتل کے بعد یہ خاندان سہالی سے منتقل ہو کر فرنگی محل میں قیام پذیر ہو گیا۔ ان کے لڑکے ملا نظام الدین (۱۷۴۷ء) بڑے عالم اور مدرس تھے۔ انہوں نے پھر اس نصاب پر نظر ثانی کی اور ہر مضمون میں دو دو کتابیں نصاب میں شامل کیں۔ ملا نظام الدین کی وجہ سے اس نصاب کو درس

9۔ ندوی، ابوالحسنات، مولانا، ہندوستان کی قدیم درس گاہیں، لاہور، وکیل بک ڈپو، ۱۹۴۱ء، ص: ۱۰۱۔

Abu al Hasnāt Nadvi, *Hindustān kī Qadeem Dars Gāhen*, Lahore, Wakeel Book Depot, 1941, p.101.

10۔ ابوالحسنات ندوی، ہندوستان کی قدیم درس گاہیں، ص: ۱۰۳۔

Abu al Hasnāt Nadvi, *Hindustān kī Qadeem Dars Gāhen*, p.103

نظامی کہتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے اس نصاب کو غیر معمولی مقبولیت دی جو شخص اس نصاب کو پڑھا ہوا نہ تھا لوگ اس کو عالم نہیں جانتے تھے۔ درس نظامی میں تقریباً تیرہ موضوعات کی چالیس کتابیں پڑھائی جاتی تھی۔ فقہ اور اصول فقہ کے ساتھ، تفسیر میں جلالین وبیضاوی اور حدیث میں مشکوۃ المصابیح داخل تھی۔انہوں نے ریاضی اور فلکیات کی کئی کتابیں اور ہندسہ پر بھی ایک شامل نصاب کی۔اس نصاب میں منطق وفلسفہ کو بھی شامل کیا گیا۔

درسِ نظامی کا نصاب:

اس میں مندرجہ ذیل کتابیں پڑھائی جاتی تھیں:

۱۔ علمِ صرف: میزان، پنج گنج، زیدہ، فصولِ اکبری، شافیہ، منشعب، صرفِ میر،

۲۔ نحو: نحوِ میر، شرح مأۃ عامل، ہدایت النحو، قافیہ، شرح جامی۔

۳۔ منطق وفلسفہ: صغریٰ، کبریٰ، تہذیب، شرح تہذیب، قطبی، حصہ میر، سلم العلوم

۴۔ حکمت: میلبیدی شمس بازغہ۔ صدرا۔

۵۔ ریاضی: خلاصۃ الحساب، تحریر اقلید سن ومقالہ اولیٰ تشریح الافلاک، رسالہ قوشجیہ، شرح، چغمنی۔

۶۔ بلاغت: مختصر معنی مطول (بحث تاماانا قلت)۔

۷۔ فقہ: شرح وقایہ اولین ھدایہ (آخرین)۔

۸۔ اصول فقہ: نورالانوار، توضیع تلویح، مسلم الثبوت (مبادی کلامیہ)۔

۹۔ کلام شرح عقائد: نسفی، شرح عقائد جلالی، میر زاہد، شرح مواقف۔

۱۰۔ تفسیر: جلالین، بیضاوی (سورۃ البقرہ)۔

۱۱۔ حدیث: مشکوہ المصابیح۔[11]

درمیانی ذہانت کا حامل طالب علم ان کتابوں کو سات برس میں ختم کرلیتا تھا۔اس نصاب میں قرآن وحدیث، ترجمہ وتفسیر، فقہ، اصول فقہ، عربی زبان وادب، گرائمر اور دیگر تحریکی ودینی کتب پڑھائی جاتی ہیں۔اس نصاب میں دینی اور دنیاوی علوم کو شامل کیا گیا ہے۔اس نصاب میں معقولات کا علم بھی ہے اور منقولات کے علوم بھی اس میں شامل ہیں۔یہی وجہ ہے کہ نصاب کو پڑھنے کر سندِ فراغت حاصل کرنے کے بعد طلبہ اس قابل ہو جاتے ہیں کہ وہ اپنے دینی ودنیاوی معاملات کو خوش اسلوبی سے حل کر سکیں۔طالب علموں میں خود اعتمادی پیدا ہو جاتی ہے۔

11۔ انتظام اللہ شہابی، اسلامی نظامِ تعلیم کا صد سالہ مرقع، ص: ۵۳۵۔

Intezāmullah Shahabi, *Islāmī Nizām e Taleem Kā Sadd Sālah Muraqqah*, p.535

خلاصہ بحث

مسلمان بادشاہوں کے دور حکومت کے دوران برصغیر میں ہزاروں کی تعداد میں مدارس قائم کیے گئے۔ انہیں علم وادب سے بہت زیادہ محبت تھی۔ انہوں نے اپنے قائم کردہ مدارس میں کتب خانے قائم کیے۔ مسلمان بادشاہوں کے دور حکومت میں جو نصاب تعلیم مدارس کے اندر پڑھایا جاتا تھا وہ قرآن پاک کی تلاوت و تفسیر، علم حدیث، علم فقہ، علم تصوف، عربی صرف و نحو، علم کلام، علم منطق اور علم حساب سے متعلق تھا۔ جبکہ نظام تدریس کے مراکز جدا جدا تھے۔ عمومی مراکز میں وعظ و نصیحت کے ذریعے عوام کو تعلیم دی جاتی تھی۔ اس ذریعہ تعلیم میں نہ استاد کی کوئی قید تھی نہ مدرسے کی ضرورت تھی۔ مساجد میں بھی عوام کو تعلیم دی جاتی تھی۔ یعنی مساجد مدارس کا کام دیتی تھی۔ تعلیم و تربیت کا ذریعہ خانقاہیں بھی تھی۔ مختلف اساتذہ اپنے گھروں پر ہی طلبہ کو تعلیم دیتے تھے۔ مختلف علوم وفنون کی تربیت گھروں یا کارخانوں میں دی جاتی تھی۔ جبکہ اساتذہ بغیر کسی لالچ اور تنخواہ کے طلبہ کو تعلیم دیتے تھے۔ البتہ مسلمان بادشاہ اساتذہ اور طلبہ کو وظائف دیتے تھے۔ نصاب تعلیم میں بادشاہ اور امراء مداخلت نہیں کرتے تھے۔ بلکہ نصاب تعلیم وتدریس بنانا خالص علماء اور اساتذہ کا کام تھا۔ برصغیر میں حکومتیں تبدیل ہوتی رہی لیکن اشاعت علم کا کام سارے ملک میں بلا روک ٹوک جاری رہتا تھا۔ کیونکہ ہر آنے والا بادشاہ علم وادب سے خصوصی لگاؤ رکھتا تھا اور علم وادب کی اشاعت کیلئے ہر ممکن کوشش کرتا تھا، برصغیر کے اسلامی مدارس کے اندر طلبہ کو کتابیں اور تعلیمی سامان مدرسہ مہیا کرتا تھا۔ کتب نصاب کی تبدیلی کا کوئی تصور نہ تھا۔ مدارس میں اوقات داخلہ کی کوئی پابندی نہیں تھی۔ مدت تعلیم سالوں سے نہیں بلکہ کتب نصاب کے مکمل پڑھ لینے سے شمار کی جاتی تھی۔ ملا قطب الدین کے بڑے بیٹے ملا نظام الدین نے اپنے والد کے تشکیل کردہ نصاب میں تبدیلی کر کے ایک نیا نصاب تشکیل دیا جسے درس نظامی کا نام ملا۔ برصغیر میں اس نصاب درس نظامی کو بہت مقبولیت ملی۔ اس طرح برصغیر کے نظام تعلیم و تربیت میں مسلمان حکمران جیسے سلاطین دہلی، جلال الدین خلجی، علاؤالدین خلجی، خاندان تغلق، لودھی خاندان، مغلیہ خاندان، خاندان شاہ ولی اللہ، خاندان ملا نظام الدین اور علمائے بلگرام نے اہم کردار ادا کیا۔